اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۸، شمارہ۳، مسلسل شمارہ:۳۶۹، سال ۲۰۲۳ء

مولوی فیروز الدین فیروز ڈسکوی اور اُن کی لغات نگاری

امجد علی شاکر، پی ایچ ڈی
سابق پرنسپل، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ، لاہور

MAULAVI FEROZ AL-DIN DASKAVI
AND HIS LEXICOGRAPHY

Amjad Ali Shakir, PhD
Former Principal
Govt. Islamia College, Railway Lines, Lahore

Abstract

Maulvi Ferozuddin Daskavi (1864-1907) was an eminent scholar of Urdu, Persian and Islamic Studies. He wrote a number of books in Urdu on the different topics of Islamic Studies and Urdu grammar, but his dictionaries are the living reference of his scholarship. He compiled the dictionaries of Arabic, Persian and Urdu. He is one of the scholars who initiated the compilation of dictionary in the Punjab. His unilingual dictionary Urdu Lughat-i Ferozi has an importance in the early dictionaries of Urdu. That is why, He has earned an importance in the history of lexicography of Urdu. He also compiled dictionaries of Persian and Arabic. Urdu Lughat Ferozi has not only an importance in the history of lexicography, it is also an important scholarly work in this field, especially having legal and literary terms of daily use. It was written for the students, but it also shows light to the scholars of Urdu language and literature.

Keywords:

Maulvi Feerozuddin Daskvi, Arabic, Urdu, Persian, Islamic Studies, legal and literary terms, Urdu Lughat-i Ferozi.

انیسویں صدی کے نصف آخر میں پنجاب میں بہت سی شخصیات سامنے آئیں جنھوں نے اردو زبان وادب کو مختلف حوالوں سے ثروت مند کیا۔ ابتدائی دور میں محمد حسین آزاد (۱۸۳۰۔۱۹۱۰ء) اور مولانا الطاف حسین حالی (۱۸۳۷۔۱۹۱۴ء) کی شخصیات بہت نمایاں ہیں۔ ان سے اگلے مرحلے پر جو لوگ نمایاں ہوئے اور جن کی تصانیف سے اردو زبان گراں مایہ ہوئی ان میں مولوی فیروزالدین ڈسکوی (۱۸۶۴۔۱۹۴۹ء) کا نام بہت اہم ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد سیکڑوں میں بتائی جاتی ہے۔ مزید بر آں ان کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

مولوی فیروز الدین ۱۸۶۴ء کو سیالکوٹ، پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام قاضی امام الدین تھا۔ وہ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے خاندان سے متعلق ڈاکٹر گوہر نوشاہی (۲۰۲۲ء) لکھتے ہیں:

> ''پنجاب میں اُن کا خاندان صاحبِ عزت سمجھا جاتا تھا۔ اس خاندان کے ایک بزرگ مولوی شمس الدین خالصہ عہد میں ڈسکہ کے کاردار تھے۔'' (۱)

اس روایت میں خاصا عہد میں مبالغہ موجود ہے۔ اگر ''پنجاب میں'' کے الفاظ کاٹ دیے جائیں تو بقیہ روایت تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اُن کی دینی تعلیم کے بارے میں معلومات بہت تشنہ ہیں۔ یہی فرض کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے دینی کتب گھر میں اپنے والد سے یا مقامی علما سے پڑھیں۔ اُس زمانے میں سیالکوٹ میں دینی تعلیم کا خاصا چرچا تھا، اسی بنیاد پر یہ قیاس کیا گیا ہے کہ انھوں نے دینی علوم مقامی علما سے حاصل کیے۔ انھوں نے بہ طور عالمِ دین خاصی شہرت پائی۔ ان کی عمومی تعلیم سے متعلق بتایا جاتا ہے:

> ''مولوی فیروز الدین ڈسکوی نے مڈل کا امتحان ڈسکہ بورڈ سے پاس کیا۔ اس کے بعد سنٹرل ٹریننگ کالج، لاہور میں داخل ہوئے جہاں سے ایس۔ وی کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اورینٹل کالج، لاہور سے منشی فاضل کی سند حاصل کی۔ اورینٹل کالج میں تعلیم کے دوران میں رسالہ مفید عام مدارس لاہور میں مقالات اور امتحانی پرچہ جات کے حل تحریر کرتے تھے جن سے واضح ہوتا ہے کہ مولوی صاحب ۱۸۸۲ء میں منشی فاضل کے طالب تھے۔'' (۲)

اس روایت میں ایک بات غیر واضح ہے اور ایک بات تنقیح طلب ہے۔ مثلاً ورنیکلر مڈل کا معاملہ یہ ہے کہ انگریزی دور میں دیہات میں مڈل سکول کھولے گئے۔ انگریزی کے اساتذہ کے نہ ہونے کے باعث

بغیر انگریزی کے آٹھویں کا امتحان پاس کرنے کی اجازت تھی، اسے ورنیکلر مڈل کہا جاتا تھا۔ یہ اجازت انگریزی کے اساتذہ فراہم ہونے کے باوجود بہت بعد تک موجود رہی۔ راقم نے ۱۹۶۷ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا تو اس وقت بھی انگریزی کا امتحان نہ دینے والوں اور انگریزی میں فیل ہو جانے والوں کو ورنیکلر مڈل کا سرٹیفکیٹ دیا جاتا تھا۔ ہائی سکول میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے ورنیکلر مڈل کو انگریزی عہد میں اینگلو کا امتحان دینا پڑتا تھا۔ اینگلو کا امتحان پاس کرنے والوں کو اینگلو ورنیکلر مڈل کہا جاتا تھا۔ رہا ڈسکہ بورڈ کا معاملہ تو مڈل کا امتحان لینے کے لیے تحصیل لیول پر کبھی کوئی بورڈ نہیں ہوتا تھا۔ قیاس یہ کیا جا سکتا ہے کہ ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل سکول کو ڈسکہ بورڈ سمجھا گیا ہے۔ پنجاب مین تین طرح کے تعلیمی ادارے ہوتے تھے۔ شہروں میں میونسپل بورڈ سکول تھے، قصبات میں ڈسٹرکٹ بورڈ سکول ہوتے تھے اور دیہات میں گورنمنٹ سکول ہوتے تھے۔ یہ عموماً پرائمری کی سطح تک ہوتے تھے۔ یہ بات بھی واضح نہیں ہے کہ انھوں نے منشی فاضل پہلے کیا یا ایس وی۔ عمومی رواج یہ تھا کہ ایس۔ وی منشی فاضل کے بعد کیا جاتا تھا۔ مولوی فیروز الدین نے منشی فاضل اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے کیا اور ایس۔ وی یقیناً ملازمت کے حصول کے لیے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حصول تعلیم کے بعد سکول میں ملازم ہو گئے۔ ان کی ملازمت سے متعلق معلومات ملتی ہیں:

> "وہ منشی فاضل کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں ملازم ہوئے۔ پہلے چند سال ڈسکہ کے بورڈ سکول میں رہے۔ ۱۸۸۷ء سے ۱۹۰۷ء تک ایم۔ بی ہائی سکول سیالکوٹ میں، جو بعد ازیں گورنمنٹ ہائی سکول ہو گیا تھا، اورینٹل ٹیچر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔"(۳)

گوہر نوشاہی نے یہ معلومات مولوی صاحب کے فرزند نذیر احمد کے خط کی بنیاد پر فراہم کی ہیں، جب کہ شاہد محمود شاذ، مولوی صاحب کے خود نوشتہ احوال کی بنیاد پر لکھتے ہیں:

> "پنجاب ٹیچر گزٹیر ۱۹۰۵ء مطبوعہ ۱۹۰۶ء میں مولوی فیروزالدین کے خود نوشتہ حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ان کی ملازمت کا آغاز ٹھیک ۲۳ برس کی عمر میں ہوا۔"(۴)

وہ مزید لکھتے ہیں:

> مولوی فیروز الدین ڈسکوی کا تقرر بہ طور مدرس اول فارسی میونسپل بورڈ ہائی سکول میں ہوا۔ انھوں نے یکم مارچ ۱۸۸۷ء (۵ جمادی الثانی ۱۳۰۴ھ) بروز منگل چارج سنبھالا۔"(۵)

مولوی صاحب کا ملازمت سے یہ تعلق عمر بھر قائم رہا کیوں کہ وہ دورانِ ملازمت ہی ۱۹۰۷ء میں فوت ہو گئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ انھوں نے ملازمت کا آغاز بھی مارچ کے مہینے میں کیا تھا اور انجام بھی مارچ میں ہوا۔

مولوی صاحب کی اولاد کے بارے میں حتمی معلومات بہم نہ پہنچ سکیں۔ ان کے دو بیٹوں کے نام ملتے ہیں اور دو بیٹیوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کا تذکرہ ملتا ہے: ''مولوی صاحب کی اولاد میں ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کے بارے میں معلومات ہم تک پہنچی ہیں۔ بیٹے کا نام نذیر احمد ہے جو ۱۹۶۳ء تک ۹۸ ڈی گلبرگ، لاہور میں مقیم تھے۔''(۶)

اُن کے دوسرے بیٹے کا ذکر خود انھوں نے ان الفاظ میں کیا ہے: ''میں اپنے برادرِ عزیز ماسٹر عبد الرحمن اور فرزند رشید مسٹر نصیر الدین احمد کا شکر گزار ہوں کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے کام کا حرج کر کے اردو انگریزی ڈکشنریوں کے انگریزی معانی مجھے سناتے گئے اور میں حسبِ ضرورت چھانٹ چھانٹ کر اور ترتیب لگا کر لکھتا چلا گیا۔''(۷)

یہ دیباچہ ۱۸۹۷ء میں لکھا گیا۔ اس وقت مولوی فیروز الدین کی عمر تینتیس سال تھی۔ اس وقت ان کے فرزند کا اس عمر میں ہونا کہ انھیں انگریزی لغات سمجھا سکے، اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کی شادی کم عمر میں ہی ہو گئی تھی۔ ان کے ایک داماد کا نام بھی ملتا ہے جس کے نام کے ساتھ مولوی کا سابقہ موجود ہے۔ ہمیں مولوی صاحب کے بھائیوں کے سلسلے میں معلومات مہیا نہیں ہو سکیں، صرف یہی معلوم ہو سکا ہے: ''مولوی فیروزالدین ڈسکوی کے دو بھائی تھے۔ چھوٹے کا نام مولوی عبد الرحمن تھا۔''(۸)

یقیناً یہ وہی مولوی عبد الرحمن ہیں جنھیں مولوی فیروز الدین نے ماسٹر عبد الرحمن لکھا ہے۔ یہاں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے کہ مولوی فیروز الدین کے خاندان کے لوگ عموماً مولوی کہلاتے تھے۔ مولوی صاحب اور ان کے بھائی سکول ماسٹر ہو کر بھی مولوی رہے۔ اگلی نسل مولوی سے مسٹر ہو گئی یعنی نو آبادیاتی نظام نے خاندانوں کی بھی کایا کلپ کر دی۔

مولوی فیروز الدین کے اساتذہ کے بارے میں بہت کم معلومات فراہم ہو سکی ہیں۔ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس دور کے اورینٹل کالج کے اساتذہ سے انھوں نے تحصیل علم کیا، دیگر اداروں کے اساتذہ میں سے سنٹرل ٹریننگ کالج کے ایک استاد کا حوالہ ملتا ہے۔ دیگر اساتذہ کے بارے میں تحقیق نہیں ہو سکی۔ سنٹرل

ٹریننگ کالج کے استاد کا ان کی کتاب **دفع طعن نکاح زینب** میں ذکر موجود ہے: ''مولوی صاحب کے احباب اور اساتذہ میں ایک نام مولانا سید الفت حسین شکارپوری کا بھی تھا۔ مولوی فیروزالدین ڈسکوی نے ان سے ٹریننگ کالج میں تعلیم کے دوران استفادہ کیا تھا۔ مولوی صاحب نے اپنی کتاب **دفع طعن نکاح زینب** میں مولانا شکارپوری کو استادِ مکرّم لکھا ہے۔''(۹)

ان کے علاوہ دوسرے اساتذہ کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ انھوں نے دینی تعلیم کن اساتذہ سے کب اور کہاں حاصل کی، اس کی تفصیل مہیا نہ ہو سکی۔ ان کی دینی تعلیم کے حوالے سے شاہد محمود شاذ نے یہ معلومات فراہم کی ہیں کہ اپنے والد اور مقامی علما سے حاصل کی، آگے یہ دعویٰ کیا ہے:

''فیروزالدین تھوڑے ہی عرصے میں عربی اور فارسی کے عالم بن گئے۔''(۱۰)

ایسی روایات خوش عقیدگی کا مظہر ہوتی ہیں۔ یقیناً انھوں نے دینی تعلیم اپنے والد اور مقامی علما سے حاصل کی۔ انھوں نے ملازمت کا آغاز تئیس برس کی عمر میں کیا۔ مڈل، منشی فاضل اور ایس۔ وی کا عرصہ منہا کر دیا جائے تو با آسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے چار پانچ سال یقیناً دینی تعلیم کے حصول پر صرف کیے ہوں گے۔ یہ بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے منشی فاضل کی تعلیم کے دوران میں بھی عربی زبان کی بعض کتابیں پڑھی ہوں گی جو تب منشی فاضل کے نصاب کا حصہ تھیں۔ نیز اہل علم سے دوستی بھی رہی تھی۔ ظاہر ہے اُن سے بھی استفادہ کیا ہو گا۔ ان کے ہم عصر اور ہم مشرب دوستوں میں بعض اہل علم کا ذکر یوں ملتا ہے:

''مولانا سید میر حسن (۱۸۴۴۔۱۹۲۹ء)، مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی (۱۸۷۴۔۱۹۵۶ء)، منشی کریم بخش مالک مفید عام پریس، غلام علی رئیس اعظم سیالکوٹ۔ مولانا اصغر علی روحی (۱۸۷۳۔۱۹۵۴ء) پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور، اُن کے ساتھ مل کر انھوں نے انجمن حمایت اسلام، لاہور کی طرف سے شائع ہونے والی بعض کتابوں پر نظر ثانی کی اور بعض کتابیں از سرِ نو لکھیں۔''(۱۱)

اُن کے احباب میں ایک اور نام منشی محمد یوسف واعظ ردّ نصاریٰ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اُن کے بارے میں مولوی فیروزالدین ڈسکوی خود لکھتے ہیں:

> ''راقم (مولوی فیروزالدین) کو اس تحریر کے محرّک خاص کر منشی محمد یوسف واعظ رد نصاریٰ سیالکوٹ ہوئے ہیں جنھوں نے بار بار اس خاک سار کے پاس آ آ کر اصرار کیا کہ **دفع طعن نکاح زینب** کی بابت ایک مختصر رسالہ لکھا جائے۔''(۱۲)

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مولوی فیروزالدین جن دنوں یہ کتاب لکھ رہے تھے، اس وقت سیالکوٹ میں عیسائی مشنریوں نے مناظرانہ فضا پیدا کر رکھی تھی۔ آں حضورؐ کی سیرت پر مختلف اعتراضات کیے جاتے تھے۔ اہلِ قلم علما ان کا جواب لکھتے اور واعظین اپنے وعظ میں اعتراضات کا رد فرماتے تھے۔ یہ تو خیر جملہ معترضہ ہوا، مگر مولوی فیروز الدین کی کلامی اور مناظرانہ تصانیف کا پس منظر سمجھنے کے لیے ضروری بھی تھا۔ مولوی صاحب کے احباب میں گوہر نوشاہی نے مولوی محمد حسین آزاد کو بھی شامل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''مولوی فیروزالدین ڈسکوی مولوی محمد حسین آزاد کے احباب میں سے تھے اور نذیر احمد کے بہ قول ان سے علمی استفادہ بھی کیا تھا۔''(۱۳)

گوہر نوشاہی کے مطابق مولوی فیروز ۱۸۸۲ء میں منشی فاضل میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اس وقت مولوی فیروز اٹھارہ سال کے نوجوان تھے اور آزاد اس وقت انچاس سال کے سرد و گرم چشیدہ بزرگ اور برگزیدہ شخصیت تھے۔ اب بھلا ان کے تعلق کو دوستی کہنا کہاں تک روا ہے؟ کچھ کہنا مشکل ہے۔ ان کے مابین یقیناً استاد شاگرد کا سا تعلق رہا ہو گا۔ اس کی تصدیق نذیر احمد کے اس قول سے ہو رہی ہے کہ وہ ان سے علمی استفادہ بھی کرتے رہے تھے۔ آزاد مصنف بھی تھے اور دوسروں کو تصانیف کے سلسلے میں راہ نمائی بھی فراہم کرتے تھے۔ مولوی فیروز اخبار مفیدعام، لاہور میں مقالات لکھتے ہوں گے اور آزاد سے استفادہ کرتے ہوں گے۔ مولوی فیروز ہی کے ہم نام مولوی فیروزالدین (بانی فیروز سنز) نے آزاد سے استفادے کا تذکرہ یوں کیا ہے:

''۱۸۸۲ء میں میری (مولوی فیروز الدین کی) اُن (آزاد) کی ملاقات ہوئی اور کئی ملاقاتوں کے بعد شناسائی بھی اچھی ہو گئی۔ میں نے ایک دن کہا کہ آپ میرے مضامین کی اصلاح فرما دیا کیجیے۔ کیوں کہ وہ اخبار دیکھتے تھے اور بعض مرتبہ زبان کی خامیوں کا ذکر بھی فرمادیا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ نہ تو وقت ہے اور نہ آپ کی یہ پوزیشن ہے کہ آپ مجھے مضامین دکھایا کریں۔ اس کا تو یہی انتظام ہو سکتا ہے کہ میں صبح سیر کو جاتا ہوں اور غالباً آپ بھی جاتے ہیں اس وقت آپ جن جن مضامین پر آپ کچھ لکھنا چاہیں، اس کا ذکر فرمادیا کریں، میں اصولی اصلاح سے دریغ نہ کروں گا۔ ان کے ساتھ کئی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اگر کسی مضمون کا زبانی ذکر کرتا تو وہ اس کو جرح و تعدیل کر کے خوبصورت بنا دیتے۔''(۱۴)

مولوی فیروز ڈسکوی یقیناً اسی زمانے میں آزاد سے مستفید ہوتے ہوں گے۔ گاہے گاہے استفادے کا سلسلہ بعد میں بھی آگے بڑھا ہو گا۔ یہ باتیں یقیناً قرین قیاس ہیں، دوستی کا تعلق بعید از قیاس ہے۔

جب مولوی صاحب کی عمر کا راہوار آگے بڑھا تو **۱۸۹۰ء** میں آزاد عالم وارفتگی کے مکین ہوگئے۔ مولوی فیروز کی عقیدت مندی کا اظہار اس عبارت سے ہوتا ہے جو **اردو لغات فیروزی** میں آزاد کے بارے میں لکھی گئی ہے۔ مولوی فیروزالدین ڈسکوی کثیر التصانیف تھے جب کہ انھوں نے عمر بھی زیادہ نہیں پائی، اس لیے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے جوانی میں تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا تھا۔ انھوں نے ۱۸۸۲ء میں اخبار مفید عام میں مقالات اور امتحانی کاپیوں کے جوابات کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ اس سلسلے میں گوہر نوشاہی مزید لکھتے ہیں:

> ''مولوی فیروزالدین ڈسکوی کی علمی و ادبی زندگی کا آغاز غالباً ملازمت کے ساتھ ہوا یعنی ۱۸۸۰ء کے قریب ہوا۔ اس زمانے سے لے کر زمانہ وفات تک یعنی ۱۹۰۷ء تک کے صرف ستائیس برسوں میں نذیر احمد صاحب کے بہ قول انھوں نے پونے تین سو کے قریب تصانیف یادگار چھوڑیں۔''(۱۵)

آغاز تصنیف کے سلسلے میں اس روایت کو تسلیم کیا جا سکتا ہے، مگر آغاز ملازمت کے سلسلے میں شاہد شاذ کی تحقیق ہی درست ہے۔ انگریزی حکومت کے قوانین اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے اور اب بھی اجازت نہیں دیتے کہ اٹھارہ سال سے کم عمر کا شخص سرکاری ملازمت میں آئے۔ پھر اس کے بعد مولوی صاحب کے منشی فاضل میں پڑھنے کا گوہر صاحب خود ہی تذکرہ فرما چکے ہیں۔ یہاں پونے تین سو کا دعویٰ بھی محل نظر ہے۔ نوشاہی نے نذیر احمد کے خط بہ نام پروفیسر محمد صدیق چیمہ، بلوم ہارٹ کی مرتبہ سپلیمنٹری کیٹلاگ آف ہندوستان بکس ان دی لائبریری آف برٹش میوزیم مطبوعہ، لندن ۱۹۰۹ء اور **قاموس الکتب** اردو جلد اول انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی کی مدد سے مولوی فیروزالدین ڈسکوی کی کتابوں کی فہرست مرتب کی ہے جو چھیالیس کتابوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے نو کتابیں ایسی ہیں جن کے وہ صرف نام ہی بتا سکتے ہیں۔ اس فہرست کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کی کتب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ قواعد، لغات اور ہم نصابی کتب۔

۲۔ دینی و مناظراتی کتب

۳۔ منظومات (قرآن مجید کی بعض سورتوں کا اردو میں منظوم ترجمہ، قصیدہ غوثیہ کا فارسی اور پنجابی میں منظوم ترجمہ)

مولوی فیروزالدین کی لغات و قواعد پر کتب اردو زبان ادب کے حوالے سے تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔ انھوں نے اردو صرف و نحو پر اردو قواعد فیروزی لکھی جو ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۹۴ء میں پنجاب پریس، سیالکوٹ سے شائع ہوا۔

مولوی فیروزالدین نے تین لغات لکھیں: ۱) **لغات فیروزی فارسی**، ۲) **لغات فیروزی عربی**، ۳)**اردو لغات فیروزی**۔

لغات فیروزی عربی کے حوالے سے معلومات میسر نہیں ہیں۔ اس کے متعلق صرف یہی ہے کہ مطبوعہ میسرز عطرچند کپور اینڈ سنز لاہور۔(۱۶) شاہد شاد نے اپنے مقالے میں یہ اطلاع بہم پہنچائی ہے: لاہور سے ۱۹۰۶ء میں شائع کیا گیا۔(۱۷)

لغات فیروزی فارسی کی جو اشاعت راقم دیکھ سکا ہے اس کا سال اشاعت ۱۹۳۱ء ہے، مگر یہ لغات ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئی۔ گوہر نوشاہی بلوم ہارٹ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

۱۸۹۰ء میں منشی گلاب سنگھ نے مطبع مفید عام، لاہور سے اسے شائع کیا۔ تاریخی نام فرہنگ تحقیقیہ ہے جس سے سال تصنیف ۱۳۰۱ء بر آمد ہوتا ہے۔" (۱۸)

منشی گلاب سنگھ اور مطبع مفید عام، لاہور کا تذکرہ لغات کے دیباچے میں بھی ملتا ہے۔ مولوی فیروز لکھتے ہیں: "منشی گلاب سنگھ صاحب پبلشر سررشتہ تعلیم پنجاب و منیجر سنٹرل بک ڈپو مالک مطبع مفید عام، لاہور نے چاہا کہ لغات بنائیں جو طلبہ کی خواہشات کو برلائے۔" (۱۹)

راقم کا خیال ہے کہ لغات کا یہ کام مولف کو ۱۸۸۴ء سے پہلے سونپا گیا۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ ایک تو مولوی فیروز خود لکھتے ہیں کہ انھوں نے یہ کام تقریباً نو سال میں مکمل کیا:

> "بہ ایں محنت و دل سوزی یہ کتاب موسوم بہ **لغات فیروزی** نو سال کے عرصہ میں چھپ چھپا کر تیار ہوئی۔" (۲۰)

جب کہ وہ کرنل ہالرائیڈ کا تذکرہ بھی دیباچے میں بہت مدح سے کر رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "یہ سب فضل و کمال کے چشمہ نورانی منبع عقل و دانش ہمہ دانی جناب مستطاب کرنل ہالرائیڈ صاحب بہادر ڈائریکٹر محکمہ تعلیم پنجاب کی شبانہ روز محنت و جان کاہی، فضیلت و آگاہی کا ظہور ہے جن کا بچہ بچہ دل و جان سے ممنون اور مشکور ہے۔ انھی کی توجہ سے فارسی کی تحصیل کے اشتیاق کا ولولہ دلوں میں جوش زن ہے اور اس کے سودائے وصال میں مبتلا ہر مرد و زن ہے۔" (۲۱)

یہ اندازِ بیان اور یہ مبالغہ آرائی اس زمانے کے عام رواج تھا۔ کرنل ہالرائیڈ کی مدح میں مولوی فیروز نے جو مدح سرائی کی ہے اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ انھیں کرنل ہالرائیڈ کے زمانے میں سرکاری طور پر یہ فریضہ سونپا گیا۔ جب یہ شائع ہو کر سامنے آئی تو کرنل ہالرائیڈ اپنے عہدے سے فارغ ہو چکے تھے، مگر اس وقت کے ڈی۔ پی۔ آئی نے یہی پسند کیا ہو گا کہ دیباچے میں اس افسر کا ذکر ہو جس کے عہد میں مولف کو یہ ذمہ داری تفویض ہوئی۔ واضح رہے کہ ڈی۔ پی۔ آئی آفس میں موجود بورڈ سے یہ پتا چلتا ہے کہ کرنل ہالرائیڈ ۱۸۶۸ء سے ۱۸۸۴ء تک اس عہدے پر متمکن رہے۔ ان سے پہلے کپتان فلر کے زمانے میں ۱۸۶۱ء کو مولوی کریم الدین (۱۸۷۹-۱۸۸۳ء) نے **کریم اللغات** (فارسی) مرتب کی تھی۔

کریم اللغات مولوی فیروز کے بھی مد نظر تھی، وہ اسی نمونے پر زیادہ الفاظ و مرکبات پر مشتمل لغات لکھنا چاہتے تھے۔ چناں چہ وہ خود لکھتے ہیں کہ عرصہ ہوا کتاب **کریم اللغات** انھی مشکلات کی روک ٹوک کی خاطر تیار ہوئی تھی۔ مگر ان ترقی یافتہ ایام میں لاکلام وہ غیر مکتفی ہے اور بازاری غلط سلط نسخوں کی اشاعت کے سبب اعتبار کے درجے سے بھی گر چکی ہے۔ (۲۲)

مولوی فیروز نے جب لغات مرتب کیں، اس وقت ان کے سامنے **کریم اللغات** ہی ایک معیار تھا۔ **کریم اللغات** کے مولف کے مد نظر یہ اصول رہا:

> ''کپتان فولر صاحب بہادر ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن مدارس پنجاب نے مجھ کم ترین کریم الدین کو کہ ان کے دفتر میں عہدہ سر رشتہ داری پر نام زد ہے حکم فرمایا کہ ایک ڈکشنری فارسی زبان کی ایسی تیار کر جس میں سب الفاظ ان کتابوں کے آجاویں جو سرکاری اسکولوں میں پڑھتے ہیں تاکہ طلبۂ پنجاب کو کامل مدد ان کے مطالعہ اور ترقی استعداد کی حاصل ہو۔'' (۲۳)

اسی اصول پر مولوی فیروزالدین ڈسکوی نے **لغات فیروزی فارسی** لکھی۔ وہ لکھتے ہیں:

''بچوں کے یہ خیالات اور یہ خواہشات ہیں کہ جس طرح انگریزی ڈکشنریاں ہماری کل حاجات بر لاتی ہیں۔ مشکل الفاظ کے معنی بتاتی ہیں، جن اشخاص کے نام ریڈروں میں آتے ہیں ان کے مختصر حالات سناتی ہیں۔ ہر علم و فن کی اصطلاحات کی تعریفات بتا کر ان کو ہمارے ذہن نشین کراتی ہیں۔ شہروں، دریاؤں اور پہاڑوں وغیرہ کے نہ صرف پتانشان بتانے سے، بل کہ ان کا تھوڑا تھوڑا حال سنانے سے ان کا نقشہ ہمارے لوح خیال پر بناتی ہیں۔ اسی طرح فارسی لغات جامع کل حاجات ہوں۔ قاطع مشکلات ہوں،

فرہنگ اصطلاحات ہوں۔ جغرافیہ کے مطالب کے لیے بہ منزلہ نقشہ جات ہوں، تاریخی حالات کے لیے تاریخات ہوں۔" (۲۴)

اس طویل اقتباس سے اور اس سے پہلے دیئے گئے حوالے سے بہت سی باتیں متبادر ہوتی ہیں۔ اولاً یہ کہ مولف کے نزدیک لغات کا سٹینڈرڈ عربی فارسی کے قدیم لغات سے نہیں، انگریزی لغات تھے۔ ثانیاً مولف اہل علم کو اپنا قاری بنانے کی بہ جائے طلبہ کو اپنا قاری خیال کرتا ہے۔ ثالثاً مولف کے عہد میں صرف **کریم اللغات** ہی وہ لغات تھی جو اس مقصد کے تحت مرتب کی گئی تھی۔ رابعاً مولف کے نزدیک لغوی مباحث بہم پہنچانا مد نظر نہیں تھا بل کہ وہ قاموسی معلومات مہیا کرنا چاہتے تھے۔ مولف کے نزدیک مندرجہ ذیل چار امور اہم تھے: ا۔ مشکل الفاظ کے معانی، ۲۔ اشخاص کے حالات، ۳۔ علوم و فنون کی اصطلاحات کی تعریف، ۴۔ جغرافیائی معلومات

مولوی فیروز فارسی لغات میں بعض مقامات پر قدم بہ قدم کریم الدین کے پیچھے چلے ہیں، مگر بعض جگہ اپنے لیے نئی راہ تراشی ہے۔ مثلاً مولوی کریم الدین نے باب الالف میں الف ممدووہ کو عام الف یعنی الف مفتوحہ و مکسورہ سے ملا جلا دیا ہے۔ یہی کام مولوی فیروز نے کیا ہے۔ مولوی کریم الدین کے ہاں معانی کم ہیں اور مولوی فیروز نے معانی میں وسعت سے کام لیا ہے جیسے مولوی کریم الدین نے آب کے معانی یہ بیان کیے ہیں:

"آب، ف، لغوی معنی پانی، اصطلاحی آبرو، عزت، فیض، دولت، طرز، موتی، جوہر، تیغ، جوہر دار۔" (۲۵)

مولوی فیروز کے ہاں، آب کے معنی دیکھئے:

"آب، ف، لغوی معنی پانی، اصطلاحی معنی آبرو، عزت، فیض، دولت، دریا، موتی، جوہر، تیغ، تلوار، جوہر دار، خوبی، رونق، چمک، قدر و قیمت، قانون، طرز اور نام ایک رومی مہینہ کا ہے جو ماہ بھادوں سے ملتا ہے۔"(۲۶)

ان اقتباسات میں مولوی فیروزالدین کی تحقیق اور تقلید دونوں واضح ہو رہی ہیں۔ دو الفاظ کے معانی مزید دیکھیے۔ کریم الدین کے ہاں اب اور ابا کے معانی یہ ہیں:

اَب۔ ع۔ باپ۔ پدر

اِبا۔ ع۔ انکار کرنا، نہ ماننا(۲۷)

اب لغات فیروزی میں دیکھئے:

اب۔ ء۔ باپ، پدر۔

ابا۔ ء۔ انکار کرنا۔ نہ ماننا(۲۸)

ایک اور لفظ میں کریم الدین کے ہاں اس کا اندراج کچھ یوں ہے:

ابابیل۔ ء۔ دیودلائی۔ نام ایک چھوٹے پرندے کا ہے۔ جو اکثر گھروں میں رہتا ہے۔(۲۹)

جب کہ مولوی فیروز کے ہاں:

ابابیل۔ جمع ہے ابالہ اور ابیل کی۔ گروہ مرغاں، اس کے معنی جو عام مشہور دیادلائی کے ہیں کسی لغات میں نہیں ملتے۔(۳۰)

گویا مولوی فیروز، کریم الدین سے سند لینا گوارا نہیں کرتے۔

ان اندراجات کو دیکھ کر واضح ہو جاتا ہے کہ مولوی فیروزالدین نے **کریم اللغات** سے استفادہ تو کیا، مگر اس کی تقلید نہیں کی۔ ان کی محنت ہر جگہ واضح ہے۔ ہاں انھوں نے مولوی کریم الدین کے اتباع میں الف ممدودہ اور عام الف کو ایک ہی طرح کا سمجھا ہے۔

مولوی فیروزالدین نے چوں کہ کریم الدین کی طرح الف ممدودہ اور عام الف کو ایک ہی سمجھا ہے اس لیے ترتیب لغات میں اکثر بے اعتدالیاں کی ہیں۔ مثلاً انھوں نے آب کے بعد اب، اِبا، اباً عن جدٍ، ابابیل، اِباحت، الفاظ شامل کیے ہیں۔ اس کے بعد آبِ آتش لباس لائے ہیں۔ ایسے ہی آب بہ غربال پیمودن کے بعد ایثار، ابتداء، ابتذال، ابتر، ابتسام، ابتغا کے الفاظ شامل کیے ہیں۔ ان کے بعد آب تلخ اور ابتلا کے بعد آبتین کے الفاظ شامل کیے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک مدزیر پیش اور زبر کی طرح کی ہی ایک حرکت ہے۔ حالانکہ الف ممدودہ دو الف کو پیش کرتا ہے۔

مولوی فیروزالدین نے لغات میں الفاظ کی اصل اور معانی کی پیش کش تک خود کو محدود کیا ہے۔ انھوں نے اشتقاق، طریقِ استعمال اور قواعد سے کلیۃً لاتعلقی اختیار کی ہے۔ یہی انداز کریم الدین کا رہا ہے۔ مولوی فیروز نے لفظوں کی وسعت کو مدنظر رکھا ہے، لفظوں کے بارے میں معلومات کی زیادتی کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ مولوی فیروز کا ذخیرۂ الفاظ کریم الدین سے زیادہ وسیع ہے۔ اس کا اندازہ ان علامات کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے جو اصل کے سلسلے میں اختیار کی گئی ہیں۔ مثلاً کریم الدین کے ہاں یہ علامات ملتی ہیں:

ع عربی،ف۔فارسی،ت۔ترکی،مب۔معرب۔(۳۱)

مولوی فیروزالدین کے ہاں لغات فیروزی فارسی میں موجود علامات دیکھیے:

ف،فارسی	ع۔عربی	ی۔یونانی	ہ۔ہندی
ر۔رومی	ا۔انگریزی	پ۔پرتگالی	فر۔فرانسیسی(۳۲)

ان علامتوں سے ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مولوی فیروزالدین کے دائرہ کا توسع زیادہ تر الفاظ کی حد تک رہا ہے۔ یہی ان کی لغات کا جواز تھا۔ انھوں نے معانی کی تلاش میں بھی دادِ تحقیق دی ہے۔ یہی ان کا کارنامہ ہے۔

اردو لغات فیروزی مولوی فیروزالدین کا وہ کارنامہ ہے جو انھیں تاریخ زبان و ادب میں زندہ رکھے ہوئے ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کی جدید ترین اشاعت ۱۹۹۸ء کی ہے۔ یہ الفیصل ناشران، لاہور کی شائع کردہ ہے۔ گویا یہ لغات ایک سو سال کے بعد بھی زندگی سے معمور ہے۔ جدید ترین اشاعت میں افضل حق قرشی کا دیباچہ بھی شامل ہے۔ اس کتاب کے سبب تالیف سے متعلق مولف لکھتے ہیں:

"منشی کریم بخش صاحب منیجر پروپرائٹر مفید عام گزٹ، سیال کوٹ نے یوں ارشاد فرمایا کہ جس طرح پر اس عاجز(مولوی فیروز) نے **لغات فیروزی فارسی** کو جامع اور مکمل بنایا ہے کہ اب لوگوں کو اور لغات فارسی کی ضرورت نہیں رہی۔ اسی طرح **اردو لغات فیروزی** بھی ایسی حاوی اور کامل بنائی جاوے کہ زمانے میں ایک یادگار رہ جاوے۔"(۳۳)

مولوی صاحب کا مقصد یقیناً بر آیا اور وہ ایک ایسا کام کر گئے جو واقعی یادگار ہے۔ انھوں نے آٹھ سال میں یہ لغات مکمل کی کہ کئی حوالوں سے یادگار ہے اور ایسا کام ہے کہ کارنامہ بن گیا ہے۔ اس کی تصنیف و تالیف کی تفصیل مولف نے یوں بیان کی ہے:

"۹۰ء(۱۸۹۰ء) کے اوائل میں کمر باندھ کر یہ کام شروع کر دیا اور ہر طرح کامل مکمل کرکے قریباً آٹھ برس کے عرصے میں اختتام کو پہنچایا اور جنوری ۱۸۹۸ء میں یہ کتاب **اردو لغات فیروزی** کے نام سے پبلک کے سامنے جلوہ گر ہوئی۔" (۳۴)

مولوی فیروز کی یہ لغات ۱۸۹۷ء میں مکمل ہوئی اور ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی۔ تاریخ اشاعت محولہ بالا اقتباس سے سامنے آتی ہے اور تاریخ تکمیل ذیل کے قطعہ تاریخ سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ قطعہ تاریخ ہذا الکتاب کے نام سے اردو لغات میں موجود ہے۔ نظم کمال درجے کے مبالغے پر مبنی ہے۔ اس کے اشعار دیکھئے:

اذا کملت نُسخة اردو لغات اجتهد الناس لهافی الجهات

فایحه الشهره فی الانام قدنشرت فی کل الکائنات

فرح الطلباء بت بتکمیلها فرح العطشان بماء الحیات

فیها کل مثل و اصطلاح أُدخل الالفاظ جمیع الصفات

جاهد فیروز لتار یخها قیل له طاب کتاب اللغات(۳۵)

(جب اُردو لغات مکمل ہوئی، لوگوں نے اس سے مختلف امور میں فائدہ اٹھایا۔ اس کی شہرت لوگوں میں پھیل گئی، یہ تمام کائنات میں نشر ہو گئی۔ طلبہ اس کی تکمیل سے خوش ہوئے، پیاسے آب حیات پا کر خوش ہوئے۔ اس میں تمام ضرب الامثال اور اصلاحیں ہیں۔ اس میں تمام الفاظ اور تمام صفات جمع ہیں۔ فیروز نے اس کی تاریخ کے لیے کاوش کی، اسے کہا گیا کتاب لغات پاکیزہ ہے۔)

مولف شاعر بھی ہیں اور یہ لغات نہ صرف ان کی شاعری سے آشنا کرتی ہے، بل کہ ان کا تخلص بھی اس لغات سے معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے دیباچے کے آخر میں خاکسار الراقم کے نیچے اپنا نام یوں لکھا ہے: "محمد فیروزالدین فیروزڈسکوی مدرس اول فارسی ایم بی ہائی سکول، سیال کوٹ۔" (۳۶)

مصنف فارسی کے استاد ہی نہیں فارسی کے فاضل عالم تھے، اسی کا اندازہ ان کی **لغات فیروزی فارسی** سے بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔ وہ عربی کے بھی خاصے اچھے عالم تھے۔ اس بات کا اندازہ ان کے قطعہ تاریخ اور **لغات فیروزی عربی** کی ترتیب سے کیا جا سکتا ہے۔ وہ عربی کے شاعر تھے یا صرف قافیہ بندی پر قادر تھے، کچھ کہنا مشکل ہے۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ قافیہ بندی پر قدرت رکھتے تھے۔ مولوی فیروز کو شاعری کا بے حد شوق تھا اس شوق کا اندازہ کئی باتوں سے کیا جا سکتا ہے۔ ایک جگہ مسمط کی تشریح کرتے ہوئے اپنی شاعری کی طرف یوں گریز کیا ہے:

خاک سار نے غزل قدسی پر ایک مخمس لکھا ہے جس کے دو بند یہ ہیں:

مخمس بر غزل قدسی (کذا)

باغ حق میں جو نہ ہو تا گل رعنائے نبی

گلشن دہر میں کھلتا نہ کوئی پھول کبھی
تیری خوشبو سے معطر ہے یہ گلزار سبھی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
یوں تو اس گلشن ہستی میں ہزاروں گل ہا
باغبان ازلی نے ہیں کھلائے کیا کیا
چمن دہر میں تجھ سا نہ کوئی پھول کھلا
نسبتے نیست بہ ذات تو بنی آدم را
برتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی (۳۷)

مولف انگریزی حسب ضرورت بھی نہیں جانتے تھے۔ اسی لیے وہ کارلس اور فیلن کے لغات سے استفادہ کے لیے اپنے بھائی اور بیٹے کے منت کش تھے۔ اس کا تذکرہ ان کے بھائیوں کے ذکر میں ہو چکا ہے:

مولف ایک تو سرکاری ملازم تھے، دوسرے اس زمانے میں آزادی کی تحریکیں پنجاب میں نہ ہونے کے برابر تھیں، اس لیے وہ انگریزی حکومت کی مداحی میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے نظر آتے ہیں۔ وہ سرکار انگریزی کی مدح کرتے ہوئے اس کے علم دوستی اور اس کے عہد میں تعلیمی ترقی کو خاص طور پر نمایاں کرتے ہیں۔ ان کی تحریر قصیدہ مدحیہ کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ یہ غلام ہندوستان کی نفسیات کو سمجھنے میں خاصی معاون ہے۔ یہ عبارت **اردو لغات فیروزی** کے دیباچے کا حصہ ہے۔

> ”ملک پنجاب جو کل بحر الکاہل کی طرح سست اور بے حرکت حالت میں تھا، آج یہاں علوم و فنون کی لہریں کوہ ہمالیہ تک ٹکرا رہی ہیں اور عالم بالا کو اپنا جوش دکھلا رہی ہیں۔ اللہ اللہ کیا ترقی و تہذیب کا سمندر جوش زن ہے اور جہالت کا خس و خاشاک بیرون افگن۔ یہ زمانہ ترقی خود زمانے نے کبھی خواب میں نہیں دیکھا تھا۔ یہ آسمان تہذیب خود آسمان نے اب تک ملاحظہ نہیں کیا تھا۔ ہر امر میں ترقی ہے اور ہر باب میں عروج۔ اظہار اصلیت میں میدانِ خیال تنگ ہے اور پائے ناطقہ لنگ ہے۔ ارسطو و افلاطون جو اتنے بڑے حکمائے یونان ہوئے ہیں اگر اس زمانے میں ہوتے تو بچوں کی طرح دبستانِ حکمت میں حروف ابجد پڑھتے۔ بطلیموس، فیثاغورث جو اتنے بڑے ہیئت داں گزرے ہیں، اگر یہ ترقی دیکھتے تو مدرسہ فضیلت میں ابتدائی سبق سیکھتے۔“ (۳۸)

یہ عبارت پڑھتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ مولف سرسید اور حالی کے اندازِ بیاں کی بجائے محمد حسین آزاد کے انداز بیان میں لکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ دیباچہ لغات ان کی ذات کی تفہیم میں خاصا معاون و معین ہے۔ ان کی تحریر میں استعارہ بالکنایہ اور تجسیم کاری ان کے اسلوبِ بیان کی تفہیم کراتی ہے۔

مولوی فیروز الدین ڈسکوی نے دیباچے کے بعد اردو زبان کی اصلیت کے عنوان سے ایک مضمون لغات کے آغاز میں شامل کیا ہے۔ اس میں ان کے بعض خیالات تو انتہائی ازکار رفتہ ہیں، مگر بعض خیالات خاصے اہم ہیں۔ چھ صفحات پر مشتمل اس مضمون میں مولف نے اردو زبان کی ابتدا سے متعلق جو خیالات پیش کیے ہیں، یہ پرانے تو ہیں ہی، مسترد شدہ بھی ہیں۔ ابتدا میں وہ وہی پرانی بات دہراتے ہیں کہ اردو زبان مختلف زبانوں کے ملاپ سے وجود میں آئی۔ ان کے خیالات دیکھیے :

> ”اردو زبان کئی زبانوں سنسکرت بھاشا، فارسی وغیرہ زبانوں سے مل کر بنی ہے۔ ان سب زبانوں کے الفاظ اس میں داخل ہیں۔۔۔۔۔۔۔اردو زبان کے معنی لشکر کے ہیں اور یہ بھی لشکری زبان ہے۔ شاہ جہان بادشاہ کے نصیب کہ اس کے عہد کی طرف یہ زبان منسوب ہو گئی۔“ (۳۹)

آج کے قاری کو یہ باتیں خواہ کتنی ہی ازکار رفتہ معلوم ہوں، مولوی فیروز کی زندگی میں یہ خیالات اچھے اچھوں کی زبان پر تھے۔ محمد حسین آزاد نے لکھا تھا:

> ”ترکی میں اردو بازار لشکر کو کہتے ہیں۔ اردوئے شاہی اور دربار میں ملے جلے الفاظ بولتے تھے وہاں کی بولی کا نام اردو ہو گیا۔“ (۴۰)

مولوی فیروز اردو زبان کی ابتدا کے بارے میں خاصے ازکار رفتہ خیالات کے حامل ہیں، مگر وہ الفاظ کے سلسلے میں خاصا صحت مند نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر انشا کے ان خیالات کو آگے بڑھا رہا ہے۔ انشا نے دریائے لطافت میں لکھا ہے :

> ”جو لفظ اردو میں آیا ہے، وہ اردو ہو گیا، خواہ وہ لفظ عربی ہو یا فارسی، ترکی ہو یا سریانی، پنجابی ہو یا یورپی، اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح، وہ اردو کا لفظ ہے۔ اگر اصل کے موافق مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے اور اگر اصل کے خلاف ہے تو بھی صحیح ہے۔ اس کی صحت اور غلطی اس کے

اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے کیونکہ جو چیز اردو کے خلاف ہے، وہ غلط ہے گو اصل میں صحیح ہے اور جو اردو کے موافق ہے وہی صحیح ہے خواہ اصل میں صحیح نہ بھی ہو۔" (۴۱)

فیروز یہی خیالات سادہ تر زبان میں بیان کرتے ہیں اور جعلی الفاظ کا عنوان دے کر لکھتے ہیں :

"ایک زبان میں دوسری زبان کی گرائمر کے قاعدوں کے موافق گھڑ گھڑ کر الفاظ استعمال کیے جائیں تو یہ الفاظ جعلی کہلاتے ہیں جیسے بادشاہ جو فارسی لفظ ہے، اس کو عربی لفظ سلطنت، حکومت، خلافت کی طرح عربی سانچے میں ڈھال کر بادشاہت استعمال کرنا، اسی طرح پاجی کی جمع پواج، پادری کی جمع پوادر عربی جمع کی طرح گھڑ کر استعمال کرنا یا ایک لاکھ ہندی لفظ ہے، فارسی کی طرح اس کی جمع لکھوکھا بنا کر استعمال کرنا یا تابعدار کا لفظ تابع کے معنی میں استعمال کرنا۔۔۔۔۔۔ یہ جعلی الفاظ اور اصلیت کے لحاظ سے اگرچہ غلط ہیں، مگر کثرت استعمال کی وجہ سے عام تام ہو کر اردو زبان میں مل گئے ہیں اور غلط نہیں سمجھے جاتے۔"(۴۲)

ان کے لسانی خیالات بعض حوالوں سے یقیناً اہم ہیں، اگرچہ وہ جدید لسانیات سے خاصے ناواقف رہے ہوں گے۔

مولوی فیروزالدین ڈسکوی کی اردو لغات فیروزی ان کی فارسی لغات کے عمل کو آگے بڑھا رہی ہے۔ اردو لغات لکھتے ہوئے وہ فارسی لغات میں اپنے پیش کردہ خیالات کو ہی مد نظر رکھتے ہیں۔ ویسے بھی انھیں یہ کہا گیا تھا کہ وہ اپنی فارسی لغات کی طرح کی جامع اور کامل لغات مرتب کریں۔ فارسی لغات لکھتے ہوئے انھوں نے دیباچے میں جن مقاصد کا تذکرہ کیا ہے، وہ اردو لغات میں بھی ان کے مد نظر رہے ہیں، یعنی وہ مندرجہ ذیل امور کو اہمیت دیتے ہیں: ۱۔ الفاظ کے معانی، ۲۔ اشخاص کے حالات، ۳۔ علوم وفنون کی اصطلاحات کی تعریفات، ۴۔ جغرافیائی معلومات

فارسی لغات میں بھی انھوں نے تلفظ، طریق استعمال، قواعد اور اشتقاق کا اہتمام نہیں کیا، یہی بات اردو لغات میں نظر آتی ہے، مگر بعض بے اعتدالیوں سے انھوں نے اردو لغات میں یقیناً گریز کیا ہے۔ مثلاً اردو لغات میں انھوں نے الف محدودہ کو عام الف سے الگ کیا ہے۔ یہ ایک قابل قدر اور قابل تحسین اصلاح ہے۔ مولوی فیروز نے **اردو لغات فیروزی** میں اصل زبان بتانے کے سلسلے میں یہ علامتیں دی ہیں :

ہ۔ ہندی، سنسکرت　　ت۔ ترکی　　ع ف۔ عربی فارسی

ف۔ فارسی　　　　اہ۔ انگریزی ہندی

ء۔ عربی　　　　ہء۔ ہندی عربی ف افارسی انگریزی

ا۔ انگریزی　　　　ف افارسی انگریزی۔(۴۳)

مولوی فیروز الدین نے **لغات فیروزی (فارسی)** میں ترکی کو رومی کا نام دیا تھا، اردو لغات میں اسے ترکی قرار دیا ہے، مگر فارسی لغات میں فارسی کا مخفف ف بھی دیا ہے اور لغات میں فارسی کے بے شمار الفاظ بھی شامل ہیں۔ اردو لغات میں اردو کا کوئی مخفف نہیں دیا اور نہ ہی لغات میں بظاہر اردو کا کوئی لفظ نظر آتا ہے۔ انھوں نے بھی اردو کے دوسرے لغات نویسوں کی طرح اردو کے اپنے الفاظ کو ہندی کا نام دیا ہے۔ اگر انھیں ہندی ہی ماننا ہے تو پھر اردو زبان کیا ہوئی۔ اس معاملے میں مولوی فیروز تنہا نہیں ہیں، روایتی طور پر سارے لغات نویس یہی "خوبی" اپنائے ہوئے ہیں۔ لغات نویسوں کی فراخ دلی پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے کہ وہ اردو کے پلے میں کوئی بھی لفظ نہیں چھوڑتے۔ اردو کو تہی دامن کر دینے کے پس منظر میں یہ نقطۂ نظر موجود ہے کہ اردو کھچڑی زبان ہے۔ یہ نظریہ اب دم توڑ گیا ہے، مگر مولوی فیروز کے زمانے میں یہ نظریہ بہ ہر حال خاصا مقبول تھا۔ اس میں معقولیت تو کبھی نہیں تھی، اب تو اس کی مقبولیت بھی نہیں رہی پھر بھی نصابی کتابوں میں اس کا تذکرہ دیکھا جا سکتا ہے۔ اس نظریے کے متعلق ڈاکٹر رؤف پاریکھ (پ:۱۹۵۸ء) لکھتے ہیں :

> "اردو کے آغاز و ارتقا کے بارے میں جو مختلف نظریات پیش کیے گئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ معروف و مقبول، لیکن سب سے زیادہ غلط نظریہ یہی ہے کہ اردو لشکری زبان ہے، حال آں کہ ماہرین لسانیات نے یہ بات کوئی ایک صدی پہلے ثابت کر دی تھی کہ اردو لشکری زبان نہیں ہے، لیکن افسوس کہ آج بھی بعض اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ تک یہ سمجھتے ہیں کہ اردو لشکری زبان ہے۔" (۴۴)

اس نظریے کی مقبولیت کا نتیجہ ہے کہ اردو کے لغات میں سارے کے سارے لفظ دوسری زبانوں میں بانٹ دیے جاتے ہیں اور اردو خالی ہاتھ ملتی رہ جاتی ہے۔

مولوی فیروز کی اردو لغات میں اردو کے حروف تہجی کے حوالے سے کوئی واضح موقف موجود نہیں ہے، خصوصاً اردو کی ہکاری آوازوں کے سلسلے میں وہ کوئی واضح موقف نہیں رکھتے۔ انھوں نے ہکاری آوازوں کو حروف تہجی میں شمار کرنے کی بہ جائے مرکب شمار کیا ہے یعنی بھ کو ب + ہ، پھ کو پ + ہ، تھ کو ت

+ ہ، ٹھ کو ٹ + ہ، اور جھ کو ج + ہ کے ذیل میں لکھا ہے، گویا وہ ہکاری آوازوں کے حامل فونیم کو الگ فونیم تسلیم نہیں کرتے۔

مولوی فیروز نے اردو لغات فیروزی میں صرف لفظوں کے مترادفات فراہم کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ وہ لفظ کی تعریف اور تشریح کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ مزید تکلیف دہ امر یہ ہے کہ وہ الفاظ کا تلفظ فراہم نہیں کرتے، حال آں کہ یہ لغات طلبہ کی ضرورت کے لیے لکھا گیا ہے۔ مولوی صاحب نے فارسی لغات میں کہیں کہیں تلفظ واضح کیا ہے، مگر اردو لغات میں اس سے مکمل گریز کیا ہے۔

مولف نے مشکل الفاظ کے معانی کے علاوہ لغات کا ایک اہم فریضہ یہ قرار دیا ہے کہ اس میں اشخاص کے بارے میں معلومات مہیا کی جائیں، حالانکہ لغات میں صرف وہ اسمائے علم دیے جائیں جن کا ایک علامتی مفہوم بھی ہو، مگر مولوی فیروز اسمائے علم کا تعارف پیش کرنے کو لغات کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں۔ یہ اصول انھوں نے فارسی کی **لغات فیروزی** میں وضاحت سے پیش کیا ہے، مگر وہ اس اصول پر پورے طور پر کاربند نہیں رہے۔ انھوں نے بعض ادبا و شعرا کے احوال پیش کیے ہیں اور بعض کو نظر انداز کیا ہے۔ مثلاً اس لغات میں مندرجہ ذیل شعرا کا تعارف موجود ہے :

آزاد، محمد حسین، ذوق، شیخ محمد ابراہیم (۱۷۹۰۔۱۸۵۴ء)، غالب اسد اللہ (۱۷۷۹۔۱۸۶۹ء)، آتش، حیدر علی (۱۷۷۸۔۱۸۴۷ء)، ناسخ، امام بخش (۱۷۷۲۔۱۷۸۸ء)، ظفر، بہادر شاہ (۱۷۷۵۔۱۸۶۲ء)، مومن، مومن خاں (۱۸۰۰۔۱۸۵۲ء) وغیرہ۔

احوال کے بیان کرنے میں انھوں نے کہیں اختصار سے کام لیا ہے اور کہیں ذرا تفصیل سے۔ لغات میں زیادہ تفصیل تو ہو نہیں سکتی، اس سلسلے میں سید خواجہ حسینی کا یہ جملہ بہت اہم ہے :

> ”مشاہیر کے متعلق معلومات مہیا کرتے وقت لغت نویس ایک کارٹونسٹ کی طرح اختصار سے کام لیتا ہے۔“(۴۵)

مولوی فیروز نے بھی اختصار سے کام لیا ہے۔ مثلاً انشا سے متعلق مولوی فیروز لکھتے ہیں :

> ”تخلص ایک مشہور شاعر کا جو قصیدہ گوئی میں خاص کر مشہور ہیں۔۔۔۔۔۔ ۱۲۳۰ھ میں فوت ہوئے۔“(۴۶)

مولوی فیروز اپنے استاد مولوی محمد حسین آزاد کے بارے میں لکھتے ہیں :

> ’’آزاد۔۔۔۔۔۔ تخلص شاعر نام ور، ناثر کامل شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد پروفیسر کا جو استاد ذوق کے شاگرد ہیں، اردو علم و ادب میں پنجاب بھر میں کوئی ان کی نظیر نہیں۔ بیسیوں کتابیں ان کی تصنیف و تالیف سے گھر گھر پھیل رہی ہیں۔‘‘ (۴۷)

یہاں ایک دل چسپ بات قابل ذکر ہے کہ مندرجہ ذیل شعرا و ادبا کا تذکرہ لغات میں موجود نہیں ہے:

میر تقی میر (۱۷۲۳۔۱۸۱۰ء)، میر انیس (۱۸۰۰۔۱۸۷۴ء)، میرزا دبیر (۱۸۰۳۔۱۸۷۵ء)، الطاف حسین حالی، غلام ہمدانی مصحفی (۱۷۵۱۔۱۸۲۴ء) وغیرہم۔ ان کے بارے میں مکمل خاموشی ملتی ہیں، حال آں کہ لغات میں میر مخفف امیر، انیس، دبیر کے الفاظ موجود ہیں۔ حالی کا تعلق لاہور سے رہا تھا، مگر وہ ذکر سے محروم رہے۔

مولوی فیروز الدین ڈسکوی نے اردو لغات فیروزی میں ایک جدت یہ کی ہے کہ انھوں نے ضرب الامثال اور قانونی اصطلاحات کو ہر حرف کے الفاظ کے بعد جمع کیا ہے۔ وہ پہلے ہر حرف کے تحت الف بائی انداز میں الفاظ و محاورات جمع کرتے ہیں پھر اسی حرف کے تحت ضرب الامثال کا باب باندھتے ہیں۔ بعد میں قانونی اصطلاحات کا آغاز کرتے ہیں۔ یوں ہر حرف کے ذیل میں الفاظ کے تین حصے کیے ہیں۔ اس سلسلے میں صرف ایک استثنا ہے اور وہ الف ممدودہ اور مقصور کا ہے۔ ان میں صرف دو ابواب ملتے ہیں، عام الفاظ اور قانونی اصطلاحات کے ابواب۔ ضرب الامثال کو دوسرے لفظوں کے ساتھ ہی جمع کر دیا گیا ہے۔ قانونی اصطلاحات کے سلسلے میں اس قدر مفید مطلب مواد جمع کیا گیا ہے کہ یہ اصطلاحات آج بھی مروج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گوہر نوشاہی نے لغات کے یہ حصے مختصر قانونی اصطلاحات کے نام سے الگ کتابچہ کی صورت میں مرتب کر دیے ہیں۔ یہ کتابچہ ۱۹۸۵ء مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد کے اہتمام سے شائع ہوا۔

مولوی فیروز ایک غیر متعصب انسان تھے۔ ویسے بھی کثیر الثقافت معاشرہ غیر متعصب ہوتا ہے۔ مزید برآں انیسویں صدی کا پنجاب تو ہر لحاظ سے غیر متعصب تھا۔ یہ عدم تعصبی اس لغات سے بھی سامنے آتی ہے۔ مثلاً:

> ’’ایشر۔ ہ۔ پرمیشر، خدا، اللہ، اوتار۔ ہ۔ بشن سروپ یا اللہ تعالیٰ کا دنیا میں بشکل انسان آنا۔ ولی اور خدا رشیدہ شخص۔‘‘ (۴۸)

ایک ضرب المثل دیکھیے۔ یہ مثل یقیناہندوؤں کے ہاں مروج ہو گی :

"ایشر آئے دلدّر جائے۔ ہ۔ مثال مبارک آدمی کے قدم کے یمن سے تمام نحوست دور ہو جاتی ہے۔" (۴۹)

مولف نے ایسے الفاظ کثرت سے جمع کیے ہیں جو دیوناگری میں لکھی گئی زبان، جسے ہندی کہا جاتا ہے، میں مستعمل ہیں۔ یقینا مولوی فیروز نے یہ الفاظ انگریزوں کی لکھی ہوئی لغاتوں سے جمع کیے ہوں گے۔ مولوی فیروز بہ ہر حال غیر متعصب ہیں۔ ویسے وہ معاشرہ غیر متعصب ہی تھا جس میں مولوی صاحب پلے بڑھے۔ ان کی بے تعصبی کے لیے ایک مثال دیکھتے چلیں اوران کی وسیع المشربی کو داد دیں :

"پنجتن۔ ف۔ مسلمانوں کے مذہب کی رو سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، امام حسنؓ، امام حسین علیہ السلام۔" (۵۰)

مولف کی سنیت اسی بات سے عیاں ہے کہ انھوں نے حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن کے کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا مخفف لکھا ہے اور حضرت امام حسین کے نام کے ساتھ علیہ السلام؛ یہ ان کی وسیع المشربی کی دلیل ہے۔

مولوی فیروز کے مد نظر اس وقت کا تعلیمی نصاب تھا۔ اس کا پتاان کے ہاں لفظوں کے انتخاب اور معانی کے بیان سے چلتا ہے۔ وہ لفظوں کے ان معانی کو اولیت دیتے ہیں جو نصاب فہمی میں معاون و معین ہوں۔ ان کے زمانے میں **مسدس حالی** تعلیمی نصاب کا حصہ رہی تھی۔ اس میں آل عدنان اور آلِ غالب کا تذکرہ موجود ہے۔ مولوی فیروز ان کے معانی یوں بیان کرتے ہیں :

"آل عدنان۔ ء۔ بنی امیہ جو کئی صدیوں اندلس میں فرمانروا رہے ہیں۔ ان کے جد اعلیٰ کا نام عدنان تھا۔ اس لیے نبیؐ اور ان کے بنی عم بنی ہاشم سب آل عدنان ہیں۔

آل غالب۔ ء۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دسویں دادا کا نام تھا جو کہ عدنان سے گیارہ پشت نیچے ہیں۔ اس لیے بنی امیہ اور بنی ہاشم کو آل غالب کہتے ہیں۔" (۵۱)

مولوی فیروز نے طلبہ کے نصاب کو مد نظر رکھتے ہوئے پہلا معنی وہی دیا ہے جو نصاب میں مطلوب تھا۔ اسی طرح لفظوں کے انتخاب میں بھی نصابوں کو مد نظر رکھا ہے۔ اس لغات میں جیومیٹری کی بعض اصطلاحات وضاحت سے پیش کی گئی ہیں جیسے مثلث، مثلث مساوی الاضلاع، مثلث مساوی الساقین، مثلث مختلف الاضلاع، مثلث قائمۃ الزاویہ، مثلث منفرجتہ الزاویہ، مثلث حادۃ الزادیہ۔ اس کا یہ مطلب

بھی نہیں ہے کہ نصابی ضرورت کی ہر اصطلاح اس لغات میں موجود ہے۔ کیوں کہ اس میں ریاضی کی اصطلاحات عاد اعظم اور ذو اضعاف اقل موجود نہیں ہیں۔

مولوی فیروز کی یہ لغات جس طرح قانونی اصطلاحات کے معاملے میں جامع ہے، ویسے ہی اس میں علم عروض کے سلسلے میں خاصی وضاحت سے کام کیا گیا ہے۔ مثلاً تقطیع کے لفظ کی تشریح میں تین صفحات سے زیادہ صرف ہوئے ہیں۔ مولف نے اس میں تقطیع کے بہت سے اصول بیان کیے ہیں۔ انھیں خود بھی احساس ہے کہ وہ زیادہ تفصیل میں جا رہے ہیں۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں کہ "اردو خواں طالب علم عموماً تقطیع نہیں کر سکتے۔ اسی لیے اس کا بیان ہم ذرا تفصیل سے کرتے ہیں۔"

مولف نے یہاں ذرا تفصیل کی بہ جائے کافی تفصیل سے کام لیا ہے۔ انھوں نے اصولِ تقطیع بڑی وضاحت سے بیان کیے ہیں۔ چند ایک یہ ہیں:

"وسط سطر میں دو حروف ساکن آئیں تو پہلے ساکن کو قائم رکھتے ہیں اور دوسرے کو متحرک کر دیتے ہیں۔

حروف ساکن وسط مصرع میں دو سے زیادہ ہوں تو اول ساکن قائم رہے گا، دوسرا متحرک ہو جائے گا باقی سب اڑ جائیں گے۔

الفاظ جو پڑھے جائیں اگر لکھنے میں نہ بھی آئیں تاہم تقطیع میں شمار ہوں گے"(۵۲)

مولف نے بحر کے ذیل میں مختلف اوزان کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ بحر کی تفصیل دو سے زیادہ صفحات میں بیان ہوئی ہے۔ پھر کتاب میں مختلف مقامات پر ہر بحر کی تفصیل دی ہے۔ رباعی کے ذیل میں اس کے چوبیس اوزان کی تفصیل بھی دی گئی ہے اور ایک نقشہ بنا کر ان کی توضیح کی گئی ہے۔ مولف کو شاعری کا خاصا شوق معلوم ہوتا ہے اس لیے وہ شاعری کی اصطلاحات کو تفصیل سے واضح کرتے ہیں۔ جس طرح گوہر نے اس لغات کی قانونی اصطلاحات کو یک جا کر کے کتاب مرتب کر دی ہے، اسی طرح شعری اصطلاحات کو جمع کر کے ایک کتابچہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔ مولف نے شعراء میں مقبول اور شاعری کے لیے ضروری اکثر اصطلاحات اور اصولوں کو جمع کر دیا ہے۔ جہاں کہیں کوئی شعری اصطلاح آتی ہے، وہیں مولف کا قلم سریع الرفتار ہو گیا ہے۔ مثلاً مثنوی کی تعریف و توضیح کرنے کے بعد یہ بھی بتایا ہے کہ یہ صرف سات وزنوں میں کہہ سکتے ہیں۔ پھر یہ بھی بتایا ہے کہ فارسی میں نظامی (م:۱۲۰۹ء)، رومی (۱۲۰۷۔۱۲۷۳ء)، جامی (۱۴۱۴۔۱۴۹۲ء)، امیر خسرو (۱۲۵۳۔۱۳۲۵ء) اور ہاتفی (۱۴۵۴۔۱۵۲۴ء) وغیرہ معروف مثنوی نگار

گزرے ہیں اور اردو میں میر حسن (۱۷۳۶۔۱۷۸۶ء)اور دیاشنکر نسیم(۱۸۱۱۔۱۸۴۵ء) کی مثنویاں **سحرالبیان** اور **گلزارِ نسیم** مشہور ہیں۔

مولوی فیروزالدین نے کثیر معنوی لفظ کو ایک لغت ہی قرار دیا ہے۔ ہر آزاد معنی کے لیے علیحدہ لغت قرار نہیں دیا۔ جیسے آب ہی کے ذیل میں اس کے معانی یہ دیے ہیں: پانی، تری، جلا، صیقل، دھار، چمک، رونق، صفائی۔

یہاں پانی ایک الگ سے آزاد معنی ہے اور دیگر معانی ایک دوسرے کے قریب مفہوم رکھتے ہیں، مگر مولف نے آب کو دو الگ الفاظ کے بہ جائے ایک ہی لفظ قرار دیا ہے۔ اسی طرح عرق کے معنی جوہر اور پسینہ دونوں موجود ہیں اور عرق کو ایک ہی لغت قرار دیا گیا ہے۔ ایسے ہی دیو کو ایک ہی لغت ٹھہرایا ہے اور اس کے معنوں میں بھوت پلید اور دیوتا دونوں مفہوم دیے ہیں۔ دیو کو دو الگ لغات قرار نہیں دیا۔

بعض الفاظ ایک سے حروف کے ساتھ دو مختلف زبانوں سے آئے اور اردو میں مروج ہو گئے۔ ان کے اعراب میں ادنیٰ سا تفاوت پایا جاتا ہے۔ مولوی فیروز نے انھیں الگ لغات قرار دیا ہے۔ جیسے:

بکٹ۔ ا۔ گارڈ۔ جو فوج لشکر کی حفاظت کے لیے متعین ہو۔ فوج کا محافظ

بکٹ۔ ہ۔ سخت۔ مشکل۔ کٹھن۔ خوفناک۔ ٹیڑھا

بکٹ پہاڑہ۔ ہ۔ کسروں کا پہاڑہ جیسے ڈیوڑھا۔ سوایا(۵۳)

یہاں مولف نے بکٹ کو دو الگ لغت ٹھہرایا ہے کیوں کہ یہ دو الگ زبانوں سے آئے ہیں اور الگ مفہوم بھی رکھتے ہیں۔ یہ یقینا الگ الفاظ ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مولف نے پہاڑا کے اندراج میں ہائے مختفی سے گریز کیا ہے، مگر یہاں ہائے مختفی موجود ہے۔ یہ شاید کاتب کی اصلاح ہے۔

بعض الفظ اعراب کی ادنیٰ تبدیلی کے ساتھ الگ الفاظ بن جاتے ہیں۔ مولف نے انھیں الگ اور آزاد الفاظ ہی قرار دیا ہے جیسے:

دِین۔ ء۔ مذہب۔ دھرم۔ ایمان

دِین۔ ء۔ عطا

دَین۔ ف۔ قرض۔ ادھار(۵۴)

حیرت ہے کہ دین بہ معنی عطا کو مولف نے عربی ٹھہرایا ہے اور دَین بہ معنی قرض کو فارسی، حال آں کہ دین بہ معنی عطا ہندی ہونا چاہیے اور دَین بہ معنی قرض، ادھار کو عربی قرار دیا جانا چاہیے۔ ہر جمعے کے خطبے میں مولوی فیروز خود پڑھتے یا سنتے ہوں گے: والدَیان لایموت (قرض ختم نہیں ہوتا)

مولوی فیروز نے محاورات کے سلسلے میں یہ طریقہ اپنایا ہے کہ ہر محاورہ مرکزی لفظ کے ذیل میں دے دیا ہے۔ مثلاً آنکھ سے متعلقہ جملہ محاورات آنکھ کے بعد آئے ہیں اور اس سلسلے میں مولف نے خاصی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا ہے۔ آنکھ سے متعلق محاورات لغات کے سولہ صفات سے آگے نکل گئے ہیں۔ اس ذیل میں آنکھ نکلوانا بھی دیا ہے، حالاں کہ یہ محاورہ نہیں ہے۔ اس کے معنوں میں یہ لکھا ہے کہ یہ ایک قسم کی سزا ہے۔

مولوی فیروز نے ضرب الامثال اور اصطلاحات قانونی کو الگ ابواب میں پیش کیا ہے، مگر بعض جگہ بے اعتدالی ملتی ہے۔ مثلاً اصطلاحات قانونی الف مقصور کے ذیل میں یہ لغات موجود ہیں:

ابدھوت۔ ہ۔ جوگی۔ ہندو فقیروں کا فرقہ، اپاسک۔ ہ۔ برتی۔ عابد، اُپت۔ ہ۔ بے عزتی (۵۵)

ان لفظوں کو اصطلاحات قانونی میں لانے کا مشکل سے ہی کوئی جواز ملے گا۔

مولوی فیروز کی یہ لغات جن اصولوں کو مد نظر رکھ کر لکھی گئی ہے، وہ لغات نگاری کے عمومی اصول نہیں ہیں۔ لغات نگاری کی شرائط عموماً یہ ہیں: معنی، تلفظ، اصل، اشتقاق، محل استعمال اور ضروری قواعد۔ جیسا کہ **نور اللغات** پر تبصرہ کرتے ہوئے حامد حسن ندوی لکھتے ہیں :

"نیر نے ۔۔۔۔۔۔ نور اللغات کی شکل میں ایک ایسا لغت تیار کیا جو لغت نویسی کی اکثر شرائط کو پورا کرتا ہے۔ اس میں معنی، اصل، تلفظ، محل استعمال اور ضروری قواعد کا خیال رکھا گیا ہے۔" (۵۶)

راقم کے نزدیک لغات میں Etymology یعنی اصل لفظیات (اشتقاق) کا ہونا بھی بہت اہم ہے۔ مولوی فیروز نے خود کو معنی اور اصل تک محدود رکھا ہے، مگر الفاظ کا دائرہ بہت وسیع کر لیا ہے۔ انھوں نے خود کو صرف الفاظ و محاورات اور ضرب الامثال تک محدود نہیں رکھا، اشخاص، اماکن اور اصطلاحات تک پھیلا دیا ہے۔ انھوں نے اشخاص کے متعلق مناسب حد تک تفصیل سے کام لیا ہے۔

مولوی فیروز الدین ڈسکوی کی **اردو لغات فیروزی** اُس وقت مرتب ہوئی جب اردو بہ اردو لغت نویسی کا چرچا زیادہ عام نہیں ہوا تھا، اس لیے یہ لغات علمی حیثیت رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک تاریخی اہمیت

بھی رکھتی ہے، مگر اسے **عموماً** اردو لغت کے جائزوں میں نظر انداز کیا گیا ہے۔ بعض جائزہ نگاروں نے ان لغات کا تذکرہ بھی کیا ہے جو دست یاب نہ ہو سکیں اور ان کا بھی جو چھپ نہ سکیں، مگر ذکر سے محروم رہے تو مولوی فیروزالدین ڈسکوی۔ رؤف پاریکھ اردو لغت کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ انھوں نے اردو لغت نویسی، تاریخ محرکات اور رجحانات پر لکھتے ہوئے اردو بہ اردو لغات کو اردو لغات نویسی کا پانچواں دور ٹھہرایا ہے۔ انھوں نے سید محمد دہلوی کی **مفتاح اللغات** (دہلی ۱۸۵۱ء) اور سورج مل کی **ہندوستانی لغات** (پٹنہ ۱۸۷۴ء)(یہ دونوں دست یاب نہ ہو سکیں) کے بعد ان لغاتوں کا تذکرہ کیا ہے جو چھپ نہ سکیں۔ اس کے بعد سید احمد دہلوی (۱۸۴۶۔۱۹۱۸ء) کی لغات کا تذکرہ کیا ہے۔ جس کی اشاعت کی تفصیل یوں بیان کی ہے :

> ”۱۸۸۸ء میں اس کی پہلی اور دوسری جلد جب کہ ۱۸۹۸ء میں تیسری اور ۱۹۰۱ء میں چوتھی یعنی آخری جلد چھپی۔“ (۵۷)

دل چسپ بات یہ ہے کہ جس سال میں **فرہنگ آصفیہ** کی تیسری جلد شائع ہوئی، اسی سال مولوی فیروز کی **اردو لغات فیروزی** شائع ہو گئی۔ ان سے قبل اردو بہ اردو لغت کے سلسلے میں غلام سرور لاہوری (۱۸۳۷۔۱۸۹۰ء) کی **جامع اللغات** (۱۸۹۲ء) شائع ہوئی تھی۔ اس سے یہ نتیجہ بہ آسانی اخذ کر سکتے ہیں کہ مولوی فیروز، لاہور میں، بل کہ پنجاب میں اردو بہ اردو لغات کے بنیاد گزاروں میں سے ایک ہیں، مگر نہ جانے یہ لغات اب تک کیوں نظر انداز ہوئی اور لغات کے کسی جائزے میں اس کا تذکرہ نہ ہو سکا۔ یہ لغات اپنی بعض خوبیوں (قانونی اصطلاحات، شعری اصطلاحات) کے حوالے سے اب بھی اپنی ایک اہمیت رکھتی ہے اور کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کی جانی چاہیے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) گوہر نوشاہی، مولوی فیروز الدین ڈسکوی، تحقیقی زاویے، (اسلام آباد: مجلس فروغ تحقیق، ۱۹۹۱ء)، ۲۴۹۔

(۲) ایضاً، ۲۴۹۔ (۳) ایضاً، ۲۴۹، ۲۵۰۔

(۴) شاہد محمود شاذ، مولوی فیروزلدین ڈسکوی، احوال و آثار، مقالہ ایم فل اردو (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی)، ۳۲۔

(۵) ایضاً، ۳۲۔

(۶) گوہر نوشاہی، تحقیقی زاویے، ۲۵۰۔

(۷) مولوی فیروز الدین ڈسکوی، دیباچہ اردو لغات فیروزی، ۷۔

(۸) گوہر نوشاہی، تحقیقی زاویے، ۲۵۰۔

(۹) ایضاً، ۲۵۹۔

(۱۰) شاہد محمود شاذ، مولوی فیروزلدین ڈسکوی، احوال و آثار، ۲۸۔

(۱۱) گوہر نوشاہی، تحقیقی زاویے، ۲۵۸، ۲۵۹۔

(۱۲) مولوی فیروزالدین ڈسکوی، دفع طعن نکاح زینب، بحوالہ، گوہر نوشاہی، تحقیقی زاویے، ۲۶۴، ۲۶۵۔

(۱۳) گوہر نوشاہی، تحقیقی زاویے، ۲۵۸۔

(۱۴) مولوی فیروز الدین، جہادِ زندگی، مرتبہ عبدالحمید خاں، (لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، اشاعت پنجم ۱۹۷۳ء)، ۳۷۷، ۳۷۸۔

(۱۵) گوہر نوشاہی، تحقیقی زاویے، ۲۵۰۔

(۱۶) ایضاً، ۲۵۶۔

(۱۷) شاہد محمود شاذ، مولوی فیروزلدین ڈسکوی، احوال و آثار، ۱۹۲۔

(۱۸) گوہر نوشاہی، تحقیقی زاویے، ۲۵۷۔

(۱۹) مولوی فیروز الدین ڈسکوی، دیباچہ لغات فیروزی فارسی، ب۔

(۲۰) ایضاً، ب۔ (۲۱) ایضاً، صفحہ: الف

(۲۲) ایضاً۔ (۲۳) مولوی کریم الدین، دیباچہ کریم اللغات، ۳۔

(۲۴) مولوی فیروز الدین، دیباچہ لغات فیروزی فارسی، الف، ب۔

(۲۵) مولوی کریم الدین، کریم اللغات، ۵۔

(۲۶) مولوی فیروز الدین، لغات فیروزی فارسی، ا۔

(۲۷) ایضاً، ۵۔ (۲۸) ایضاً، ا۔ (۲۹) ایضاً، ۵۔

(۳۰) ایضاً، ا۔ (۳۱) ایضاً، ۵۔ (۳۲) ایضاً، ب۔

(۳۳) مولوی فیروز الدین ڈسکوی، دیباچہ اردو لغات فیروزی، ۵، ۶۔

(۳۴) ایضاً، ۶، ۷۔ (۳۵) ایضاً، ۱۰۔ (۳۶) ایضاً، ۹۔

(۳۷) ایضاً، اردو لغات فیروزی، ۹۴۱۔

(۳۸) ایضاً، دیباچہ اردو لغات فیروزی، ۳۔

(۳۹) ایضاً، اردو زبان کی اصلیت، اردو لغات فیروزی، ۱۱۔

(۴۰) محمد حسین آزاد، آب حیات، ۴۔

(۴۱) انشاءاللہ خاں انشا، دریائے لطافت، مترجمہ پنڈت دتاتریہ کیفی، ۳۵۳،۳۵۴۔

(۴۲) مولوی فیروزالدین ڈسکوی، اردو زبان کی اصلیت، اردو لغات فیروزی، ۱۲،۱۳۔

(۴۳) مولوی فیروزالدین ڈسکوی، علامات اردو لغات فیروزی، ۱۴۔

(۴۴) ڈاکٹر رؤف پاریکھ، لسانیاتی مباحث، ۹۔

(۴۵) سید خواجہ حسینی، اردو لغت نویسی کے مسائل مشمولہ اردو لغات اصول اور تنقید، مرتبہ ڈاکٹر رؤف پاریکھ، ۵۳۔

(۴۶) مولوی فیروزالدین ڈسکوی، اردو لغات فیروزی، ۱۳۷۔

(۴۷) ایضاً، ۱۶۔ (۴۸) ایضاً، ۱۵۳۔ (۴۹) ایضاً، ۱۵۳۔

(۵۰) ایضاً، ۲۳۲۔ (۵۱) ایضاً، ۲۷۔ (۵۲) ایضاً، ۳۹۶،۳۹۷،۳۹۸۔

(۵۳) ایضاً، ۲۲۲۔ (۵۴) ایضاً، ۵۹۲۔ (۵۵) ایضاً، ۱۶۳۔

(۵۶) حامد حسن ندوی، لغت مشمولہ، اردو لغات اصول اور تنقیدی، مرتبہ ڈاکٹر رؤف پاریکھ، ۴۱۔

(۵۷) ڈاکٹر رؤف پاریکھ، لغوی مباحث، ۲۸۔

BIBLIOGRAPHY

- Insha Allah Khan, *Darya-i Laṭāfat*, (trans.) Pandat Ditatarya Kaifi, (Karachi: Anjuman Taraqi Urdu, 1973)
- Raof Parekh, *Lughavi Mūbāhis*, (Lahore: Majlis Traqqi-e Adab, 2015)
- Raof Parekh, *Lisānyātī Mūbāhis*, (Karachi: Fazali Sons 2015)
- Raof Parekh, *Urdū Lūghāt Usūl aor Tanqīd*, (Karachi: Fazali Sons 2014)
- Shahid Mehmood Shaz, *Maulavī Fīroz al-Dīn Daskavī*, Ahwal-o Aasar, M.Phil (Urdu) Thesis, (Islamabad: AIOU)
- Feroz al-Din Daskavi Maulavi, *Urdū Lūghāt-i Fīrozī*, (Sialkot: Publisher Mufeed Aam, 1898)
- Feroz al-Din Daskavi Maulavi, *Lūghat-i Fīrozī Fārsī*, (Lahore: 1931)
- Feroz al-Din Maulana, *Jihād-i Zindagī*, (Comp.) Abdul Hameed Khan, (Lahore: Feroz Sons, ed.5th, 1973)
- Kareem al- Din Maulavi, *Karīm al-Lūghāt*, (Mombai: Fateh al-Kareem 1305A.H.)
- Muhammad Husain Azad, *Āb-i Ḥayāt*, (Comp.), Abrar Abdul Salam, Multan, BZU, 2006)

❖❖❖